وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

مولانا محمد ازہر

قطبِ وقت امام الاولیاء، مخدوم الصلحاء، زینت آراء مسندِ ارشاد، سرخیل سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ خواجۂ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد قدس سرہٗ امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان ۲۰ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ بروز بدھ مغرب اور عشاء کے درمیان سیال کلینک ملتان میں اس جہانِ آب وگل سے منہ موڑ کر معبودِ حقیقی سے جا ملے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ان لِلّٰہِ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ وکل شئی عندہ باجل مسمیٰ۔

اس عارضی قیام گاہ سے ہر متنفس نے عالمِ آخرت کی طرف رختِ سفر باندھنا اور اپنا دفترِ عمل لے کر مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ جہاں دنیوی مفاخر ومناصب، عظمت وتمکنت اور عزت وثروت کی کوئی حیثیت نہیں وہاں عقیدۂ توحید ورسالت، بندگی وخاکساری اور اخلاص وتقویٰ ہی کام آئیں گے۔ کسی ایسی ہستی کے بارے میں قلم اٹھانا جو میراثِ نبوت سے سرفراز اور بے شمار خصائص کی حامل ہو اور جس سے اللہ رب العزت نے اپنے دین کا غیر معمولی کام لیا ہو، نہایت مشکل مرحلہ ہے۔

حضرت خواجہ قدس سرہ ایسی جامع الصفات شخصیت کے مالک تھے جو بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں۔ انھوں نے نقشبندی بزرگوں کے مسلک ومزاج کے مطابق کم وبیش پون صدی خاموشی واخلاص کے ساتھ خلقِ خدا کو فیض یاب فرمایا۔ حضرت خواجہ خان محمدؒ قطب زمان حضرت مولانا محمد عبداللہ لدھیانویؒ (متوفی ۱۳۷۵ھ) کے فیض یافتہ، خلیفہ اجل اور جانشین تھے۔ مولانا لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا خواجہ ابوسعد احمد خان نور اللہ مرقدہٗ (م ۱۳۶۰ھ) کے تربیت یافتہ تھے جبکہ مولانا احمد خانؒ شریعت وطریقت کے آفتابِ عالم تاب حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ سراج الدین دامانیؒ (م ۱۳۳۳ھ) کے خلیفہ وجانشین تھے۔ یہ تمام بزرگ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں نہایت قوی النسبت اور رفیع المرتبت تھے۔ حضرت خواجہؒ کے شیخ ومرشد مولانا عبداللہ لدھیانویؒ آپؒ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ''جو امانتیں اور خزانے میرے شیخ حضرت اعلیٰ مولانا خواجہ احمد خاں نور اللہ مرقدہ نے مجھے عنایت فرمائے تھے، وہ سارے کے سارے میں نے مولانا خان محمد صاحب کے سپرد کر دیے ہیں جبکہ آپؒ کے شیخ حضرت خواجہ احمد خانؒ نے اپنی زندگی میں بطور پیش گوئی فرمایا تھا کہ:

> ''اس خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ کی گدی پر میرا ہم نام گدی نشین ہوگا، اس پر میرا فیض خاص ہوگا اور وہ امام وقت ہوگا۔ اسے دنیا دیکھے گی، چہار دانگ عالم میں اس کا شہرہ ہوگا۔''

پھر ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ ریتلی زمین سرسبز و شاداب ہوگی۔ اس کے دور میں خانقاہ سراجیہ شریف بامِ عروج پر ہوگی اور اس کا شہرہ برصغیر ہی نہیں بلکہ ہفت اقلیم میں ہوگا۔ اس کے اور میرے نام میں ''الف'' اور ''میم'' کا فرق ہوگا۔''

حقیقت یہ ہے کہ یہ الہامی کلمات صد فیصد درست ثابت ہوئے اور حضرت خواجہ خان محمدؒ افقِ ولایت پر ایسے آفتاب کی طرح چمکے جس کی روشنی میں پورا عالم مستفید ہوا اور جس کی حرارت نے ہزاروں لاکھوں قلوب کو عشقِ حقیقی کی تپش سے گرما دیا۔

حضرت خواجہ صاحبؒ کی شہرت اگرچہ ایک سجادہ نشین اور پیر طریقت کے طور پر تھی لیکن آپ عمیق الرائے اور دقیق النظر عالم وفقیہ بھی تھے۔ آپؒ برصغیر کی سب سے معروف ومقبول دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور حضرت مولانا اعزاز علیؒ جیسے اساطین علم کے شاگرد تھے۔ ان حضرات سے آپ نے دورۂ حدیث شریف کے اسباق پڑھے جبکہ مشکوٰۃ شریف، تفسیر جلالین، ہدایہ، مقاماتِ حریری، اور دیگر اسباق ڈابھیل میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا سید بدر عالمؒ، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ اور حضرت مولانا محمد ادریس سکروڈھوی سے پڑھیں، فراغت کے بعد آپ نے کچھ عرصہ تدریس کی جن طلبہ کو آپ سے پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی ان کا کہنا ہے کہ طلبا پر آپ کی توجہ کرامت سے کم نہ تھی۔ جو الفاظ آپ کی زبان سے نکلتے وہ دماغ میں ایسے پیوست ہوجاتے گویا کتاب سامنے ہے۔ بعدازاں خانقاہ کی مصروفیات کی وجہ سے آپ اسباق جاری نہ رکھ سکتے۔

حضرت والا کو قیامِ پاکستان سے پہلے ڈابھیل میں محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ (م ۱۹۷۷ء) سے شرفِ تلمذ حاصل رہا۔ قیامِ پاکستان کے بعد خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ کے سجادہ نشین کی حیثیت سے آپ کی باطنی وروحانی خدمات کا شہرہ تمام علمی ودینی حلقوں میں پھیل گیا۔ جیسا کہ عام طور پر اساتذہ کو اپنے تمام شاگردوں کا پورا پورا تعارف نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ بھی کندیاں شریف کے دور افتادہ علاقہ میں ایک صاحبِ اسرارِ شریعت اور واقفِ رموزِ طریقت کی شہرت سن کر زیارت واستفادہ کی غرض سے تشریف لائے۔ اتفاق سے حضرت والا ان دنوں صوبہ سرحد کے سفر پر تھے۔ حضرت بنوریؒ طویل سفر طے کر کے آپ کی خدمت میں موضع درویش میں پہنچے اور کہا کہ:

''آپ کی زیارت کے لیے آیا ہوں۔''

حضرت خواجہ صاحب نے کسی تکلف کے بغیر عرض کیا کہ ''حضرت میں تو آپ کا شاگرد ہوں، مجھے حکم فرمایا ہوتا، میں خود حاضر ہوجاتا۔ آپ کو زحمت نہ اٹھانا پڑتی۔'' حضرت بنوریؒ نے فرمایا آپ میرے شاگرد کیسے ہیں؟

عرض کیا: ڈابھیل میں آپ سے سبعہ معلقہ وغیرہ کے اسباق پڑھے ہیں۔ حضرت بنوریؒ اس صاف گوئی پر بہت خوش ہوئے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ کا بیان ہے کہ:

''جب مجلس برخاست ہوئی تو حجرے سے نکلتے وقت حضرت بنوری نور اللہ مرقدہ نے آگے بڑھ کر جلدی سے

میرے جوتے اٹھالیے۔ بڑی کوشش کی اور عرض بھی کیا کہ حضرت! میں تو آپ کا شاگرد ہوں۔ ایسا نہ کریں۔ فرمایا: آپ اس کے مستحق ہیں۔ میں یہ سن کر بوجہ ادب خاموش ہو رہا۔"

یہ واقعہ حضرت بنوریؒ کی غایت درجہ تواضع و بے نفسی کے ساتھ ان کی جوہر شناسی اور حق شناسی کی بھی بین دلیل ہے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ، حضرت بنوریؒ سے استاذ کی حیثیت سے تاحیات انتہائی ادب واحترام سے پیش آتے رہے جبکہ حضرت بنوریؒ انھیں شاگرد کی بجائے شیخ طریقت کی حیثیت سے دیکھتے تھے۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران حضرت بنوریؒ فیصل آباد، حضرت مفتی زین العابدینؒ کے ہاں تشریف لے گئے۔ حضرت علامہ بنوری نے اٹھ کر آپ کا استقبال فرمایا۔ اس مجلس میں خواجہ صاحبؒ حضرت بنوریؒ کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھے رہے۔ حضرت بنوریؒ نے فرمایا: آپ ایسے نہ بیٹھیں لیکن حضرت خواجہ صاحبؒ اختتام مجلس تک اسی مودبانہ ہیئت پر رہے۔ مجلس برخاست ہوئی تو حضرت خواجہ صاحب نے حضرت علامہ بنوریؒ کے جوتے اٹھا کر ان کے سامنے رکھے۔ سچ ہے ولی را ولی می شناسد۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر کے لیے حضرت علامہ بنوریؒ ہی نے حضرت خواجہ صاحبؒ کا نام پیش فرمایا تھا بلکہ یہ شرط عائد کی تھی کہ میں امارت کا عہدہ صرف اسی صورت میں قبول کروں گا جب نائب امیر میرا نامزد کردہ ہوگا۔

تمام اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ حضرت والا خطیب ومقرر یا واعظ نہ تھے جبکہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے عہدیداران کا دن رات کا مشغلہ ہی خطابت وتقاریر ہیں لیکن حیرت انگیز امر یہ ہے کہ مجلس نے عالمی سطح پر فتنہ قادیانیت کے تعاقب واستیصال کا جتنا کام حضرت والا کے دورِ نیابت اور پھر دورِ امارت میں کیا اس کی نظیر نہیں ملتی۔

آج حضرت والاؒ کی رحلت پر چار سو صفِ ماتم بچھی ہے۔ آسمان وزمین نوحہ کناں ہیں، انسانیت کا پرچم سرنگوں ہے۔ ذکر کی مجلسیں ویران ہیں۔ تصوف وسلوک کے حلقے اداس ہیں۔ جس ہستی کو دیکھ کر افسردہ دلوں میں بہار آجاتی تھی وہ ہمیشہ کے لیے نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

اک آسرا تھا دیدہ کا باقی، سو مٹ گیا
سنتے ہیں بند روزنِ دیوار کردیا